کالی رت
سفر اور بس
میں
یونس خیال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کالی رات، سفر اور میں

کالی رات، سفر اور میں

یونس خیال

مکتبۂ فکر و خیال ○ لاہور

ضابطہ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بار اوّل ____________ جنوری ۱۹۹۱ء

بار دوم ____________ جنوری ۱۹۹۷ء

تعداد ____________ پانچ سو

سرورق ____________ فیصل

مطبع ____________ ذی نائن پبلشرز

کتابت ____________ منور قلم

قیمت ____________ ۱۰۰ روپے

خیال نامہ

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر یونس خیال

والدہ محترمہ کے نام

مُصنّف کی کُتب

زاویے ________ تنقید

نقطے ________ تنقید

کالی رات سفراور مَیں ________ شعری مجموعہ

دس جدید شاعر ________ تنقید (زیرِترتیب)

رابطہ

خیالنامہ
ڈاکٹر یونس خیال

ترتیب

۱۔ پیش لفظ	ڈاکٹر وزیر آغا	۳
۲۔ کلوز اَپ	پروفیسر غلام جیلانی اصغر	۹
۳۔ سیّدنا کریمؐ		۱۳
۴۔ کالی رات، سفر اور مَیں		۱۴
۵۔ بوجھ آنکھوں کا کم کیا جائے		۱۵
۶۔ دن پتھر کے صبحیں شامیں پتھر کی		۱۷
۷۔ دو شعر		۱۹
۸۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے		۲۰
۹۔ مَیں بیقرار تھا سجدے میں التجا بن کر		۲۱
۱۰۔ جب کڑی دُھوپ میں وہ شہر سے نکلا ہوگا۔		۲۳
۱۱۔ جنگل بستی		۲۵

ش

۱۲۔ جس دن تیری یاد نہ آئے ۲۷

۱۳۔ دُھوپ سے رشتہ ہے لیکن سائبانوں کی طرح ۲۸

۱۴۔ مہر و وفا کے عُنواں کی تفسیر ملی ۳۰

۱۵۔ خوشبو کا پہاڑ ۳۲

۱۶۔ تنہائی کا دُکھ ۳۴

۱۷۔ دل میں پھر اک حشر بپا ہے ۳۵

۱۸۔ تیری بستی ترا نگر ہوگا ۳۷

۱۹۔ ذات کا سفر ۳۹

۲۰۔ التجا ۴۰

۲۱۔ ترے خیال سے چھائی ہیں مستیاں کتنی ۴۱

۲۲۔ ہر کسی پر خمار طاری تھا ۴۳

۲۳۔ آسماں سے کون بچھڑا ۴۵

۲۴۔ بے بسی ۴۶

۲۵۔ حیرت ۴۷

۲۶۔ اپنے جو منتظر تھے زمانے کدھر گئے ۴۸

۲۷۔ پھر نظر میں شکستہ خواب رہا ۵۰

۲۸۔ بیتے موسموں کا نوحہ ۵۲

۲۹۔ نئے سال کا پہلا سورج	۵۳
۳۰۔ کارواں میں ایک جیسے منظروں کو دیکھنا	۵۴
۳۱۔ شاید اسی لئے کبھی دستک ہوئی نہ تھی	۵۶
۳۲۔ تین شعر	۵۸
۳۳۔ دو مختصر نظمیں	۵۹
۳۴۔ لبوں پہ چُپ سی نظریں قیامتیں ہوں گی۔	۶۰
۳۵۔ ڈھونڈ پھر سے شباب کی دُنیا	۶۲
۳۶۔ صُبح کا عذاب	۶۴
۳۷۔ مشورہ	۶۶
۳۸۔ آنکھیں	۶۷
۳۹۔ بے لبسی کی رات اور تنہا سفر	۶۸
۴۰۔ حقیقتوں کے مقابل سراب دیکھیں گے	۷۰
۴۱۔ تلاش	۷۲
۴۲۔ حادثہ	۷۴
۴۳۔ محبّت	۷۵
۴۴۔ لمحے کی رفاقت	۷۶
۴۵۔ طے ہوا کچھ اس طرح اپنی جوانی کا سفر	۷۸

۴۶۔ جسم کلیوں کا گلوں کی شوخیاں جلنے لگیں ۸۰

۴۷۔ کہاں ہر روز یہ شمس و قمر تبدیل ہوتے ہیں ۸۱

۴۸۔ خوف ۸۲

۴۹۔ نہ دھوپ چمکی نہ آنکھوں میں سانپ لہرائے ۸۴

۵۰۔ تعلق میں وفا کی پھر کمی محسوس ہوتی ہے ۸۵

۵۱۔ جو کبھی نامہرباں تھے مہرباں بنتے گئے ۸۶

۵۲۔ زادِ سفر ۸۷

۵۳۔ انہیں جو دُور سے دریا لگا ہے ۸۸

۵۴۔ سینکڑوں جگنو فضا کی گود میں رقصاں رہے ۹۰

۵۵۔ اَب جو پھوٹا ہے آنکھ سے دریا ۹۱

۵۶۔ انسان ۹۲

۵۷۔ مجھے اپنے ماتم سے فرصت ملی تو ۹۴

○

پیش لفظ

یونس خیالؔ کا شعری مجموعہ "کالی رات، سفر اور مَیں" جس کا عنوان اُس کی ایک اثر انگیز نظم سے ماخوذ ہے، اِس وقت میرے سامنے ہے۔ پہلے نظم ملاحظہ کریں:

بستی سے جب نکلے تھے
جانے کتنا روئے تھے
کالی رات
سفر
اور مَیں۔

اِس نظم میں تین کردار اُبھرے ہیں۔ کالی رات، سفر اور مَیں۔ تینوں متحرک پیکر ہیں اور تینوں کے ساتھ "رونے کا عمل" منسلک ہے۔ رات کے آنسو ستاروں کی طرح فروزاں ہیں، سفر گھاس کی نوک پر لرزتے ہوئے شبنم کے قطروں کے ٹوٹنے سے عبارت ہے اور مَیں "اپنی آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کی علامت!۔ ذرا غور کریں تو یہ تینوں ایک ہی کردار کے مختلف رُوپ ہیں۔ کردار جس نے اپنے ہی اندر کی کالی رات میں سفر کیا ہے۔ تخلیقی عمل کے مراحل میں یہ ایک اہم مرحلہ ہے (نفسیات دانوں نے اسے سفرِ شب یا NIGHT JOURNEY)

کا نام دیا ہے) جس میں شاعر روزمرہ کے مسائل کی حامل "سامنے کی دُنیا" کو خیرباد کہہ کر ذات کے تہہ در تہہ جہان کے اندر اُترتا ہے۔ یہ عمل بیک وقت احساسِ زیاں سے بھی عبارت ہے کیونکہ معمولات کی دُنیا اور بستی کی مانوس فضا کو ترک کرنا ہمیشہ دُکھ کا باعث ہوتا ہے ۔ اور ایک بے نام سی خوشی کا کارن بھی کہ بستی کے بند نظام سے نجات کی گھڑی آ پہنچی ہے۔ بظاہر اس مختصر سی نظم میں بستی کو چھوڑنے کا دُکھ آبدار موتیوں کی طرح رات کے چہرے، گھاس کے فرش اور شاعر کی آنکھوں میں صاف دکھائی دیتا ہے لیکن جب شاعر نے اُسے زمانی فاصلے سے دیکھا ہے تو وہ حیرت زدہ بھی ہوا ہے کہ بستی سے نکلنے پر وہ جذبات سے کس قدر مغلوب ہو گیا تھا۔ اس نظم کی اصل خُوبی یہ "فاصلہ" ہے جو شاعر کی دو احساسی حالتوں کے فرق کو بیان کرتا ہے ۔ وہ حالت جب شاعر جذبات سے مغلوب تھا اور پھر یہ حالت جب وہ پہلی حالت کو ایک ناظر کی حیثیت میں دیکھنے کے قابل ہے۔ یُونس خیال کا یہ شعری مجموعہ بیک وقت اُس کے جذبات سے بھی عبارت ہے اور جذبات کو فاصلے سے دیکھنے کے عمل سے بھی!

"پچھلے دس پندرہ سالوں میں سرگودھا تخلیقی اعتبار سے مزید فعّال ہوا ہے اور متعدد نئے لکھنے والے اس کے اُفق پر نمودار ہو گئے ہیں۔ ان لکھنے والوں میں یونس خیال کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ وہ سرگودھا کی مخصوص ثقافتی فضا کی پیداوار ہونے کے باعث اس کی حد بندیوں سے بھی متاثر ہے اور اس کی آزادہ روی سے بھی! جہاں تک حد بندیوں کا تعلق ہے اس نے بعض مقبول اور رائج موضوعات کو بڑے التزام کے ساتھ برتا ہے اور اس معاملے میں رائج ڈکشن کو بروئے کار لانے سے بھی گریز نہیں کیا۔ دوسری طرف اس نے آزادہ روی کے مسلک کے تحت "بند فضا" سے باہر نکلنے کی کوشش بھی کی ہے۔ جس کے نتیجے میں اُس کے ہاں علامت کی تہہ داری، لفظوں کے غیر روائتی استعمال سے مملو ہو کر اُبھرنا شروع ہو گئی ہے

جو اس امر پر دال ہے کہ وہ بہت جلد معاملہ بندی کے عام رجحان اور بندھے ٹکے موضوعات کے بندی خانے سے پوری طرح باہر آجائے گا۔ اوپر میں نے جس نظم کا تجزیہ کیا ہے وہ اس کی اس پیش رفت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ مزید دیکھئے کہ اس نے لفظ "پتھر" کو اس طور استعمال کیا ہے کہ وہ کسی متعیّن معنیٰ سے منسلک نہیں رہا بلکہ اس میں معانی کا جوار بھاٹا آگیا ہے۔ مثلاً

بن گئے ہیں مصطفیٰ کے فیض سے ❊ سینکڑوں پتھر نگینے چار سُو
زندگی جب نہ آئے ہاتھوں میں ❊ کوئی پتھر پہن لیا جائے
دن پتھر کے صُبحیں شامیں پتھر کی ❊ چاروں جانب ہیں برساتیں پتھر کی
وہ ایک شخص جو پتھر بنا گیا ہے مجھے ❊ وہ خود بھی جی تو رہا ہے مگر سزا بن کر
شیشے کی ان کے گرد فصیلیں تھیں اس لئے ❊ بستی کے لوگ ایک ہی پتھر سے ڈر گئے

آئینہ خانے میں برسوں سے مرا معمول ہے
کرچیوں کے ڈھیر میں کچھ پتھروں کو دیکھنا

تلاش میں اُس کی
جانے کتنی
مسافتوں کے عذاب جھیلے
اذیتوں کے پہاڑ کاٹے
مگر
وہ اب میرے رُوبرو ہے
تو
ایسا محسوس ہو رہا ہے
کہ جیسے

اس کے بدن کی خوشبو
مری تمنا کے راستے میں
پہاڑ بن کر
کھڑی ہوئی ہے۔

یونس خیال نے اپنے ان اشعار میں "پتھر" کے کثیر الجہات معانی کو متحرک کیا ہے۔ وہ پتھر دل ہونے، پتھرا جانے، پتھر کو تخریب کاری کی علامت بننے، پتھر کے نگینے میں منقلب ہونے، پوری بستی کے پتھرا جانے، بدن کی خوشبو کے پتھر میں متشکل ہونے نیز خود پتھر کے کانچ میں بدلنے کے مناظر اس طور پیش کرتا چلا گیا ہے کہ "پتھر" اپنے متعین معنی کی قید سے باہر نکل کر اَن گنت امکانات کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ اچھی شاعری کی یہی پہچان ہے کہ وہ پیش پا اُفتادہ تصورات اور موضوعات تک محدود ہو کر کلیشوں میں منتقل نہیں ہوتی بلکہ ہمہ وقت نئے سے نئے احساسی منطقوں میں سفر کرتی ہے۔ علامت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ شے کو اس قدر صیقل کیا جائے کہ اس میں سے معانی کا انشراح ہونے لگے نہ یہ کہ کوئی خاص معنی اس کے ساتھ چپک کر (جیسے مثلاً صلیب کے ساتھ قربانی کا مفہوم) اسے پتھرا دے۔ یونس خیال کی تخلیقی اپج محض "پتھر" تک محدود نہیں رہی۔ اس نے "پَر"۔ "سایہ"۔ "بستی"۔ "گھر"۔ "سورج" اور دیگر اشیا اور مظاہر کو بھی ان کے رائج اور مقررہ مفاہیم اور تلازمات کی جکڑ بندی سے نجات دلا کر نئے نئے معنیاتی ابھار سے آشنا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے توقع ہے کہ اگر وہ اسی طرح کلیشہ سازی سے اجتناب کرتے ہوئے معانی کی ہر دم متحرک پرچھائیوں کے تعاقب میں سفر کرتا رہا تو اس دُھند میں بھیگتا چلا جائے گا جو تخلیق کا اصل سرچشمہ ہے۔

خاتمۂ کلام سے پہلے یونس خیال کے یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں جو اس کے روشن مستقبل کی نوید ہیں ع

اُن کا پیکر تراشنے کے لئے
ہم نے پلکوں سے ابتدا کر دی

مُدّتوں بعد کوئی چاپ سُنائی دی ہے
میرا سایہ ہے مجھے ڈھونڈنے آیا ہوگا

موت صحرا میں چمکتے پانیوں کا سلسلہ
زندگی برسات میں کچّے مکانوں کی طرح

خُود کو پتھر کہنے والا
کتنی جلدی ٹوٹ گیا ہے

ٹوٹا ہے زور تیز ہواؤں کا آخرش
یہ اور بات کتنے پرندوں کے پَر گئے

تنہا سفر کا فیصلہ بہتر نہیں ابھی
اپنے پَروں سے آپ کی پہلی اڑان ہے

چونکہ تخلیق کاری کے صحرائے اعظم میں ہر مسافر کو تنہا ہی

سفر کرنا پڑتا ہے اس لئے یونس خیال کو چاہیئے کہ وہ دوسروں کو کسی نہ کسی "نوحہ گر" کی معیّت میں سفر کرنے کا مشورہ بے شک دے لیکن خود اس پر عمل پیرا ہرگز نہ ہو۔

ڈاکٹر وزیر آغا

کلوز اَپ

کالی رات، سفر اور میں یونس خیالؔ کا پہلا شعری مجموعہ ہے۔ یونس خیالؔ یوں تو اَدبی حلقوں میں خاصا متعارف ہے۔ لیکن اس نے اپنی نظموں، غزلوں کو باقاعدہ چھپوانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ یہ عجیب سا لگتا ہے کہ ایک نوجوان جو کم آمیز بھی نہیں۔ اُس نے اپنے آپ کو منوانے کی کاوش کیوں نہیں کی؟ غالباً اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ شعری تخلیق کی عصمت کو تشہیر سے داغدار نہیں کرنا چاہتا۔ اس بات سے یونس خیالؔ کی سلامت روی اور اس کے فکری انداز کی پختگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ بات کیوں کہ یونس خیال کی ذات سے متعلق ہے اس لئے میں اسے قاری کی صوابدید یا حُسنِ سلوک پر چھوڑتا ہوں۔

؎ جو تری رضا ہو تو کر

میں اس شعری مجموعہ کے حوالے سے کچھ غیر ضروری سی باتیں کرنا چاہوں گا۔ نیا شعر (میرے خیال میں یہ مجموعہ نئی شعری روایت کا حصّہ ہے) مستند اصطلاحات اور سکّہ بند جارگن سے ایک بڑی حد تک آزاد ہو گیا ہے۔ اس وسیلے سے شعر میں ایک خوشگوار نیا پن اور تازگی پیدا ہو گئی ہے یہ ساری تبدیلی پچھلے بیس سالوں میں آئی ہے اب شاعر (بالخصوص نوجوان شاعر) آرائشی زبان سے فکر اور جذبہ کی کمی کو

پورا نہیں کرتا، بلکہ سوتج کو اپنے اصلی رنگ و رُوپ میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ نیا شاعر روایت کی بیدست سے آزاد ہو کر اپنے اندر یا اردگرد سے شعر کا رزق حاصل کرتا ہے اور پھر اسے بڑی عمدگی سے اپنے قاری تک منتقل کرتا ہے۔ اس لحاظ سے شاعر اور قاری شعری تجربہ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ کلاسیکی شاعری کا سارا ساز و سامان ایک مخصوص رجعت پسند مُعاشرہ کی دین تھا اور وہ بقول داغ اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا کبھی کا جا چکا ہے۔ نئے تقاضے نئی لغت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مفہوم اور معنی کے اظہار کے لئے نئی لفظیات کا وجود از بس ضروری ہو گیا ہے۔ میں نے یہ ساری باتیں (جن میں پریشان خیالی کا عنصر غالب ہے) دانستہ کی ہیں تاکہ یونس خیال کی غزلوں اور نظموں کو اسی فریم ورک میں رکھ کر پرکھا جائے۔ (یہ کام آپ کا ہے)

نئے شاعر میں (جیسے میں نے ابھی ابھی عرض کیا ہے) یہ خُوبی ہے کہ اس نے اپنی شناخت کے لئے اپنا ایک نیا بوطیقا مرتب کیا ہے۔ کچھ امیجز جو آج سے چند سال پہلے شعر و سخن کی مارکیٹ میں بنظرِ استحسان دیکھے جاتے تھے اب اپنا نیا پن کھو چکے ہیں۔ اس لئے جو شاعر بھی اپنے ہم عصر قاری سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اسے عصری شعور کے ساتھ ایک ایسا پیرائیہ اظہار اپنانا ہو گا جو اس کی حسیّت کو پوری پیچیدگی کے ساتھ قاری تک پہنچا سکے۔ میں یُونس خیال کا شمار ان نئے شعرا میں کرتا ہوں جو اپنے جذبے کی صورت گری پر بڑی حد تک قادر ہیں۔ یونس خیال بھی نئے حساس شاعر کی طرح اپنے عہد کا سامنا کر رہا ہے وہ اس کے تضادات۔ بے حس سنگلاخیت۔ اکیلے پن سفر اور اس کی صعوبت۔ رات اور اس کی گہری تاریکی سے بہت متاثر ہوا ہے وہ گُل نغمہ کی شاداب فضا سے تو کبھی کا باہر آ چکا ہے اب اس کے سامنے زندگی کا زرد پہاڑ کھڑا ہے جسے اس نے تنہا تاریک رات میں طے کرنا ہے۔

مسافتوں کے عذاب جھیلے
اذیتوں کے پہاڑ کاٹے
مگر۔ وہ اب میرے روبرو ہے
تو۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے
کہ جیسے اس کے بدن کی خوشبو
مری تمنّا کے راستے میں
پہاڑ بن کر کھڑی ہوئی ہے۔

موجودہ دور کے تلخ حقائق کا یہ پہاڑ ایک ایسی بے رحم حقیقت ہے جس کا ادراک نئی نسل کا مشترکہ ورثہ ہے یونس خیالؔ نے اس حقیقت کو صرف گرفت میں ہی نہیں لیا بلکہ پوری کُلیّت کے ساتھ اپنے شعروں میں بیان کیا ہے۔

یونس خیالؔ کی شاعری کا مرکزی امیج پتھر ہے۔ موجودہ معاشرہ کی مشینی تہذیب سنگینی، بے حسّی، تشدّد اور مسلسل شکست و ریخت کے عمل کو کوئی اور امیج اس خوبی سے بیان نہیں کر سکتا۔ پتھر اس کے ہاں ایک جامد نظامِ حیات ہے جس نے صرف روئیدگی کو ہی ختم نہیں کیا بلکہ سفر کی گرانباری میں بھی اضافہ کر دیا ہے۔ معاشرے کا مخاصمانہ رویہ اس کے راستے کا ایک ایسا بوجھل پتھر ہے جسے وہ ہٹانے پر قادر نظر نہیں آتا۔

دن پتھر کے صبحیں شامیں پتھر کی
چاروں جانب ہیں برساتیں پتھر کی
ایک مسافر ایسا جس کے رستے میں
دن کا تپتا صحرا، راتیں پتھر کی

آئینہ خانے میں برسوں سے مرا معمول ہے
کرچیوں کے ڈھیر میں کچھ پتھروں کو دیکھنا

خارجی حالات کی سنگینی کا اس کے ہاں ردِّ عمل بھی موجود ہے۔ لیکن اس کے اندر کا مثالیت پسند شاعر زندگی کے "پتھریلے پن" کے ساتھ صلح پر آمادہ نہیں ہے اس کی نظم "حادثہ" میں سنجومی نے اسے بڑا آدمی بننے کی نوید دی تھی لیکن شرط کڑی تھی۔

شرط بس یہ ہے کہ پتھر کی طرح ہو جانا
میں تو انسان تھا دُنیا کے ستم سہہ نہ سکا
میں نے چاہا بھی تو
پتھر کی طرح رہ نہ سکا

خارجی حقیقت کی سنگینی کا یہ شعور اس کے بیشتر شعروں پر حاوی ہے۔ لیکن شاید یونس خیالؔ مدافعت اور حقیقت سے ٹکرانے کی قوت نہیں رکھتا۔ معاشرت اور اس کے تلخ روابط پر یونس خیالؔ کے حوالے سے مزید بھی لکھا جا سکتا ہے لیکن یہ کسی نقاد کا کام ہے میرے لئے غالبؔ کا رویّہ زیادہ مفید رہے گا۔

؎ سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

میں بہر صُورت یہ پسند کروں گا کہ یونس خیالؔ کے تخلیقی مزاج کی شناخت کرنے کی بجائے اُسے اس کی تازہ کاری پر مُبارک باد دوں۔ اس کی غزلوں اور نظموں سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ وہ اگر ذات گزینی کے عذاب سے بچ نکلا تو اس کا مستقبل خاصا روشن ہے۔ وہ شریف ہے، حسّاس ہے، رونے، ہنسنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے لفظوں کے پُراسرار امکانات کا اندازہ ہے۔

کالی رات، سفر اور مَیں نئی شعری روایت میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔

پروفیسر غُلام جیلانی اصغرؔ

سیّدنا کریمؐ

رحمتوں کے ہیں خزینے چار سُو
جس طرح ساون مہینے چار سُو

بن گئے ہیں مُصطفےٰؐ کے فیض سے
سینکڑوں پتھر، نگینے چار سُو

اے ہوا خُود میں مجھے تحلیل کر
پھیل جاؤں میں مدینے چار سُو

آپ کے لُطف و کرم سے یا نبیؐ
زندگی میں ہیں قرینے چار سُو

کالی رات، سفر اور مَیں

بستی سے جب نکلے تھے
جانے کتنا روئے تھے
کالی رات
سفر
اور مَیں۔

○

○

بوجھ آنکھوں کا کم کیا جائے
اور کچھ دیر رو لیا جائے

آہیں نکلے ہیں جب بیاباں میں
اب گریباں کو کیا سیا جائے

میں سنبھالوں گا وقت کا سورج
میرے ہاتھوں پہ رکھ دیا جائے

اُن کو عادت ہے بھول جانے کی
اُن کے وعدوں پہ کیا جیا جائے

ہم بھی ڈالیں گے ضبط کی عادت
اُن کو بھی مشورہ دیا جائے

زندگی جب نہ آئے ہاتھوں میں
کوئی پتھر پہن لیا جائے

○

○

دن پتھر کے، صُبحیں شامیں پتھر کی
چاروں جانب ہیں برساتیں پتھر کی

اس سے بڑھ کر اور قیامت کیا ہوگی
شیشے کی بستی میں سوچیں پتھر کی

ایک مُسافر ایسا جس کے رستے میں
دن کا تپتا صحرا، راتیں پتھر کی

تنہائی میں بیٹھ کے آؤ کچھ رو لیں
ورنہ ہو جائیں گی آنکھیں پتھر کی

کلیوں جیسے موسم ان کے حصے میں
میرے رستے میں دیواریں پتھر کی

دو حرفوں کا افسانہ ہے دل لیکن
کہنے کو کتنی رُودادیں پتھر کی

○

دو شعر

رات بھر بھیگتا رہا دامن
رات آنکھوں نے انتہا کر دی

اُن کا پیکر تراشنے کے لئے
ہم نے پلکوں سے ابتدا کر دی

○

آخر ایسا کیوں ہوتا ہے

خوشیوں کو میں
دیکھ کے اکثر
خوف زدہ ہو جاتا ہوں
آخر!
ایسا کیوں ہوتا ہے۔

○

○

میں بے قرار تھا سجدے میں التجا بن کر
وہ میرے سامنے بیٹھا رہا خُدا بن کر

وفا کے نام سے نفرت سی ہو گئی مجھ کو
جو ہو سکے تو ملو تم بھی بے وفا بن کر

وہ ایک شخص جو پتھر بنا گیا ہے مجھے
وہ خود بھی جی تو رہا ہے مگر سزا بن کر

جو ابتدا کے قرینے سے بھی نہیں واقف
وہ کیسے خود کو سنبھالے گا انتہا بن کر

خُدا کرے کہ سلامت رہے بدن اس کا
لپٹ رہا ہے وہ شعُلوں سے پھر ہوا بن کر

○

○

جب کڑی دُھوپ میں وہ شہر سے نکلا ہوگا
ایک سایہ پسِ دیوار بھی تڑپا ہوگا

اور کیا ہوں میں فقط ترچھی لکیروں کے سوا
اس نے کاغذ پہ مرا عکس بنایا ہوگا

پھر فضاؤں میں نظر آتا ہے ساون رقصاں
پھر ہواؤں نے ترا نام پکارا ہوگا

مدتوں بعد کوئی چاپ سنائی دی ہے
میرا سایہ ہے مجھے ڈھونڈنے آیا ہوگا

چاہتا وہ بھی ہے تجدیدِ وفا ہی اب تو
اس نے بھی میری طرح بعد میں سوچا ہوگا

○

جنگل بستی

دہلیزوں پر خوف کے پہرے
گلیوں میں
چیخیں، آوازیں
دیواروں سے لپٹے سانپ
سڑکوں پر
بے جان پرندے، بکھرے پر

سب رستے سُنسان
اس بستی سے تو بہتر تھا
جنگل میں
انسان۔

○

جس دن تیری یاد نہ آئے

سب موسم
پت جھڑ کے موسم
سب رنگوں پر
کالی چادر
پنچھی چپ کے راگ الاپیں
خوشبوئیں ساکت ہو جائیں
جس دن تیری یاد نہ آئے۔

○

○

دُھوپ سے رشتہ ہے لیکن سائبانوں کی طرح
ہم زمیں پر بھی رہے تو آسمانوں کی طرح

تب سے اس کی دشمنی پر اعتبار آنے لگا
مشورے دیتا ہے جب سے مہربانوں کی طرح

رات بھر عرضِ تمنّا صبح کو فکرِ معاش
ہر گھڑی گزری ہے مجھ پہ امتحانوں کی طرح

مے کدہ، ساقی، صراحی اور ساغر آج بھی
یاد آتے ہیں مگر گزرے زمانوں کی طرح

موت صحرا میں چمکتے پانیوں کا سلسلہ
زندگی برسات میں کچے مکانوں کی طرح

○

○

مہر و وفا کے عنواں کی تفسیر ملی
ٹکڑے ٹکڑے لفظوں کی زنجیر ملی

میرا کیا ہے میں تو بس بدنام ہوا
ان کو لیکن نام ملا تشہیر ملی

سوچ میں ڈوبی آنکھیں لب پہ خاموشی
ان سے بہتر تو ان کی تصویر ملی

یوں میرے شعروں نے اس کو روپ دیا
چاند کو جیسے سورج سے تنویر ملی

مَیں نے چاہا تھا دُنیا تسخیر کروں
رستے میں حائل میری تقدیر ملی

رُوپ جوانی آئے ان کے حصّے میں
مجھ کو میرے لفظوں کی جاگیر ملی

○

خوشبو کا پہاڑ

تلاش میں اُس کی
جانے کتنی
مسافتوں کے عذاب جھیلے
اذیّتوں کے پہاڑ کاٹے
مگر
وہ اب میرے رُوبرُو ہے
تو
ایسا محسوس ہو رہا ہے

کہ جیسے
اس کے بدن کی خوشبو
مری تمنّا کے راستے میں
پہاڑ بن کر
کھڑی ہوئی ہے۔

○

○

دل میں پھر اک حشر بپا ہے
ضبط کا بندھن ٹوٹ رہا ہے

میرے گھر میں آگ لگی ہے
بستی میں کیوں شور مچا ہے

خود کو پتھر کہنے والا
کتنی جلدی ٹوٹ گیا ہے

تنہائی کا دُکھ

جانے کس شخص کی جُدائی میں
ایک مُدّت سے مُنتظر ساعت
روز و شب زاویے بدلتی ہے
گھر کی دیوار کے کیلنڈر پر
ایک تاریخ روز جلتی ہے

○

گُلدانوں میں پھُول سجے ہیں
پھُولوں میں بارُود چھُپا ہے

گرتے پتّے چیخ رہے ہیں
کتنی ظالم تیز ہوا ہے

میرے گھر کی دیواروں نے
میرا رستہ روک لیا ہے

○

○

تیری بستی ترا نگر ہوگا
آج پھر چاند ہمسفر ہوگا

سب نے کمروں میں رکھ لئے سورج
کس کو اندازۂ سحر ہوگا

اِک دُھواں سا دکھائی دیتا ہے
میری بستی ہے میرا گھر ہوگا

ایک سایہ رواں سوتے مقتل
اور اک چیختا نگر ہوگا

یہ تماشا بھی لوگ دیکھیں گے
ان کی دیوار میرا سر ہوگا

○

ذات کا سفر

سوال بھی تھا، سوالی بھی، در بھی میرا تھا
میں جس کو ڈھونڈ رہا تھا وہ گھر بھی میرا تھا
میں اضطراب کے لمحوں سے کس طرح بچتا
کہ حکم دار بھی میرا تھا سر بھی میرا تھا

○

التجا

خُدا کے واسطے دیر و حرم کی بات نہ کر
مرے وجود میں ساقی خمار رہنے دے
مرے خیال میں ممکن نہ ہو سکے شاید
خزاں کے دور میں جشنِ بہار رہنے دے

○

○

ترے خیال سے چھائی ہیں مستیاں کتنی
مرے وجُود میں اُتری ہیں بجلیاں کتنی

کسی بھی شخص کے کاندھوں پہ سر نہیں لیکن
ہمارے شہر میں اُگتی ہیں سُولیاں کتنی

اُسے بھی عہدِ وفا ٹوٹنے کا غم ہوگا
بھری ہیں میرے بھی دامن میں کرچیاں کتنی

وہ ہم کہ دشت نشیں تھے نکل گئے آگے
وگرنہ راہ میں آئی تھیں بستیاں کتنی

وُہ جانتا ہے نہیں مجھ میں حوصلہ باقی
مگر وہ دیتا ہے پھر بھی تسلّیاں کتنی

یہ کیا ہوا ہے کہ اکثر اُداس رہتے ہو
خیالِ تم میں تو پہلے تھیں شوخیاں کتنی

○

○ .

ہر کسی پر خمار طاری تھا
ان کی آنکھوں کا فیض جاری تھا

مَیں نے جس کو خُدا بنایا تھا
وہ کسی اور کا پُجاری تھا

پھر کسی آدمی کی آمد تھی
پھر فرشتوں پہ خوف طاری تھا

اس کے دل میں خلوص تھا لیکن
اس کا انداز کاروباری تھا

اُس کے حصّے میں تھی متاعِ سکوں
میرا مقسوم بے قراری تھا

○

آسماں سے کون بچھڑا

کس کی فُرقت میں
فضا
ماتم کُناں تھی
ہوائیں
ہچکیاں لیتی رہیں
اور
چاند کی کرنیں
زمیں پر ٹوٹ کر گرتی رہیں
آسماں سے کون بچھڑا
آج شب۔

○

حیرت

عقل کے سوداگروں کے درمیاں
ایک سودائی کی قیمت بڑھ گئی
کیوں اچانک بے حسوں کے شہر میں
آبلہ پائی کی قیمت بڑھ گئی

○

○

اپنے جو منتظر تھے زمانے کدھر گئے
ہم کو ملی جو آنکھ مناظر بکھر گئے

سُنتے ہیں اپنے نام کی تختی اُتر گئی
مدّت ہوئی ہے دوستو ہم کو بھی گھر گئے

رستے ہیں دوستوں کی وفائیں نہ مل سکیں
گھر سے اگرچہ باندھ کے رختِ سفر گئے

ٹوٹا ہے زور تیز ہواؤں کا آخرش
یہ اور بات کتنے پرندوں کے پر گئے

شیشے کی اُن کے گرد فصیلیں تھیں اس لئے
بستی کے لوگ ایک ہی پتھر سے ڈر گئے

مَیں جانتا ہوں لوٹ کر آئیں گے بے قرار
اِس بار بھی خیال ہیں دولت نگر گئے

○

○

پھر نظر میں شکستہ خواب رہا
رات بھر پھر وہی عذاب رہا

مجھ کو پھر اعتماد میں لے کر
وہ مکرنے میں کامیاب رہا

میری بستی میں ایک جگنو تھا
وہ مگر بن کے آفتاب رہا

مَیں بظاہر تھا مُطمئن لیکن
میرے پہلو میں اضطراب رہا

جب ہوا جشنِ شہر میں پانی
میری پلکوں پہ دستیاب رہا

نام لینا بھی جُرم ہے اس کا
جو کبھی شاملِ نصاب رہا

○

بیتے موسموں کا نوحہ

گزرے سال کا
آخری لمحہ
آخر اتنا چُپ سا کیوں تھا
شاید
وہ بھی سوچ رہا تھا
بیتے سالوں کے بارے میں
بھولے ناموں کے بارے میں
بچھڑے لوگوں کے بارے میں
میری طرح سے۔

○

نئے سال کا پہلا سُورج

اگلے برس کا پہلا سُورج
اُس لڑکی کے نام
کہ
جس نے
اپنی ذات کے کتنے لمحے
اپنی آس کے کتنے سُورج
میری یاد کی برف میں
اپنے ہاتھ سے دفن کئے۔

○

○

کارواں میں ایک جیسے منظروں کو دیکھنا
رہزنوں کو دیکھنا یا رہبروں کو دیکھنا

شہر میں تُم خون کی برسات کو ہونے تو دو
پھر فصیلِ شہر پہ اُگتے سَروں کو دیکھنا

اے امیرِ شہر تجھ کو گر کبھی فُرصت ملے
مفلسی کی آگ میں جلتے گھروں کو دیکھنا

اب کے کچھ صیّاد کا انداز معنی خیز ہے
خُون میں لتھڑے ہوئے ٹوٹے پروں کو دیکھنا

آئینہ خانے میں برسوں سے مرا معمول ہے
کرچیوں کے ڈھیر میں کچھ پتھروں کو دیکھنا

○

○

شاید اسی لئے کبھی دستک ہوئی نہ تھی
تختی مرے مکان کے باہر لگی نہ تھی

بستی میں آج شب بھی قیامت کا تھا سماں
ماحول جل رہا تھا مگر روشنی نہ تھی

پہلو میں اضطراب تصوّر میں وحشتیں
اتنی اُداس رات تو پہلے کبھی نہ تھی

ہم لوگ تیز دُھوپ سے بچتے بھی کس طرح
سائے تو بے شمار تھے چھاؤں گھنی نہ تھی

تم نے ہی احتیاط سے دامن چھُڑا لیا
ورنہ مرے خلُوص میں کوئی کمی نہ تھی

شاید کسی کی یاد کا بادل برس پڑا
پہلے تو اپنی آنکھ میں اتنی نمی نہ تھی

○

تین شعر

پہلے اپنی ذات کی تنظیم کر
پھر مجھے تو شوق سے تقسیم کر

چیختا پھرتا ہے سایہ شہر میں
مُجھ سے کہتا ہے مجھے تسلیم کر

چُومتا ہوں اِس لئے تحریر کو
اُس نے لکھا ہے ہری تعظیم کر

○

دو مختصر نظمیں

مجبوری

تری جدائی کا غم بھی شدید تھا
لیکن
شدید تر تھا غمِ روزگار
کیا کرتے۔

○

موت

اگر کچھ سوچوں تو
دشوار
جو کچھ نہ سوچوں تو
دشوار۔

○

○

لبوں پہ چُپ سی نظر میں قیامتیں ہوں گی
مَیں جانتا ہوں انہیں بھی شکایتیں ہوں گی

جفا کے بعد یقیناً عنایتیں ہوں گی
بدن جو ٹوٹ رہا ہے تو راحتیں ہوں گی

دیا تھا ترکِ تعلق کا مشورہ اس نے
وہ جانتا تھا ادھوری محبّتیں ہوں گی

بہار آ کے مرے در پہ دستکیں دے گی
مگر وہ صحن میں پہلے سی وحشتیں ہوں گی

جو ہو سکے تو ذرا دیر کو ٹھہر جاؤ
پھر اس کے بعد مری جاں اجازتیں ہوں گی

ترے خیال سے دامن چھڑا گیا وہ بھی
اسے بھی سوچتے رہنے کی عادتیں ہوں گی

○

○

ڈھونڈ پھر سے شباب کی دُنیا
ہاں وہی اضطراب کی دُنیا

پَل رہی ہے سکُوں کے پردے میں
پھر کِسی اِنقلاب کی دُنیا

میری دُنیا ہے منفرد سب سے
جِس طرح آفتاب کی دُنیا

ایک سوہنی کی یاد میں اب تک
رو رہی ہے چناب کی دُنیا

کِس قدر مختصر سی لگتی ہے
اب گناہ و ثواب کی دُنیا

○

صُبح کا عذاب

دفتر کا دَروازہ
لرزاں
ٹیبل ویراں
فائل کھولوں تو پھٹ جائے
جیسے بم کا ایک دھماکہ
گھنٹی کی آواز
کلاشنکوف کی تڑ تڑ تڑ تڑ سے بھی تیز
پنسل سے لکھّوں تو جیسے
اِک خُونی تحریر

سانسوں میں بارُود کی بُو

اور

ٹیلیفون کے تاروں میں ہے

چیختے انسانوں کا شُور

سوچ رہا ہوں ایسا کیوں ہے

میرے پاؤں بوجھل کیوں ہیں ؟

میری آنکھیں جل تھل کیوں ہیں ؟

میں نے شاید

آج سویرے سب سے پہلے

تازہ اِک اخبار پڑھا تھا۔

○

مشورہ

تنہا سفر کا فیصلہ بہتر نہیں ابھی
اپنے پَروں سے آپ کی پہلی اُڑان ہے

○

یہ آنکھیں

کبھی زمیں پہ کبھی آسمان پر یہ آنکھیں
تری تلاش میں پھرتی ہیں در بدر آنکھیں
یہ اضطراب کا عالم کبھی نہ تھا پہلے
یہ کس عذاب کو لے آئیں اپنے گھر آنکھیں

○

○

بے بسی کی رات اور تنہا سفر
رو رہا تھا اس لئے پگلا سفر

بانٹتا پھرتا تھا جب وہ منزلیں
مَیں نے اپنے ہاتھ پر لکھا سفر

اپنے چکّر میں پڑا ہوں اس طرح
جس طرح پُرکار کا اندھا سفر

کیا سُناؤں مَیں سفر نامہ تجھے
نا مکمل ہے ابھی میرا سفر

○

کوشش کے باوجود رہائی نہ مِل سکی
اِک رات اور آگئی سوچوں کی قید میں
صدیاں مری تلاش میں محوِ سفر رہیں
لیکن مرا وجود تھا لمحوں کی قید میں

○

○

حقیقتوں کے مقابل سراب دیکھیں گے
کبھی وہ آنکھ سے اُترا تو خواب دیکھیں گے

چمن چمن میں گُلابی بہار کو بو کر
کسے خبر تھی کہ کالے گلاب دیکھیں گے

ہمارے دَور کے حالات جانچنے والے
قدم قدم پہ لکھّا اضطراب دیکھیں گے

بغیر چہروں کے پھرتے ہیں مضطرب کاندھے
ہم اور شہر میں کتنے عذاب دیکھیں گے

○

مجھے سکون سے رہنے کا مشورہ کیسا
مرے نصیب میں جب اضطراب لکھا ہے
ترے سوال میں کوئی سوال ہی کب ہے
مرے سوال کا اُس نے جواب لکھا ہے

○

تلاش

پتھر کی کالی بستی میں
دودھیا رنگی
شیشے کی اِک نازک گڑیا
ریشم جیسی
سوچیں اس کی
خوشبو جیسی
باتیں

جاگتی آنکھیں
لیکن ان میں سُندر سُندر خواب
رنگوں جیسی چال
دوراہے کے بیچ کھڑی ہے
جانے کس کو ڈھونڈ رہی ہے۔

○

حادثہ

مجھ کو بچپن میں نجومی نے کہا تھا اِک دن
تُم بڑے آدمی بن جاؤ گے اِک روز مگر
شرط بس یہ ہے کہ پتھر کی طرح ہو جانا
مَیں تو انسان تھا دُنیا کے ستم سہہ نہ سکا
مَیں نے چاہا بھی تو
پتھر کی طرح رہ نہ سکا۔

○

محبّت

جانتا تھا زہر کے اثرات کو
پھر بھی خیال
دیر تک میں
ان کی نیلی انگلیاں ملتا رہا۔

○

لمحے کی رفاقت

وہ لمحہ کتنا عظیم تر تھا
کہ جس کو پانے کی آرزو میں
نہ جانے
کتنی طویل صدیاں
مری وفا کے چراغ لے کر
اُداس رستوں پہ منتظر تھیں
وہ لمحہ
کتنا عظیم تر تھا

حسین تر تھا
کہ
جب تیرا نام
سب سے پہلے
مری زباں سے ادا ہوا تھا۔

○

○

طے ہوا کچھ اس طرح اپنی جوانی کا سفر
جس طرح دریا تلک بارش کے پانی کا سفر

آج یادوں کی ہوا سے زخم پھر جلنے لگے
کس قدر پُرسوز ہے اس کی نشانی کا سفر

اِک نہ اِک دن تو ہمیں آخر جدا ہونا ہی تھا
کب تلک اک ساتھ چلتا آگ پانی کا سفر

لفظ تو بے چین تھے عنوان بننے کو مگر
ساتھ میرے رُک گیا میری کہانی کا سفر

دن کے راجہ کو تو دیکھا سب نے پھلتے پھولتے
کون جانے کیا ہوا راتوں کی رانی کا سفر

○

○

جسم کلیوں کا، گلوں کی شوخیاں جلنے لگیں
جب سماں بدلا تو سب رنگینیاں جلنے لگیں

انتظارِ یار کی شدّت کا اندازہ ہوا
صحن میں رکھی ہوئی جب کُرسیاں جلنے لگیں

روشنی کے واسطے سُورج تراشے تھے مگر
دُھوپ کی شدّت بڑھی تو بستیاں جلنے لگیں

ریت پر بکھرے ہوئے موتی پریشاں ہو گئے
پانیوں کے درمیاں جب سیپیاں جلنے لگیں

○

کہاں ہر روز یہ شمس و قمر تبدیل ہوتے ہیں
فقط اُڑتے پرندوں کے نگر تبدیل ہوتے ہیں

مجھے خود اپنے گھر کو ڈھونڈنا دشوار ہوتا ہے
مرے رستے کے دو طرفہ شجر تبدیل ہوتے ہیں

تری یادوں کی اکثر تتلیاں پکڑے مرے جذبے
پلٹتے ہیں مگر ان سب کے گھر تبدیل ہوتے ہیں

ترے وعدے، تری قسمیں ہیں سب کچھ بھولنا چاہوں
مگر مشکل سے لفظوں کے اثر تبدیل ہوتے ہیں

خوف

شہر کی دیوار پر
لکھے گئے
پھر نئی ترتیب سے
کالے حروف
اِس سے پہلے بھی
نہ جانے
اِس طرح کی کالی تحریروں کو پڑھ کر
کتنے انسانوں سے
بینائی چھنی ہے

اب بھی
ایسے ہی کئی خدشوں کی چیخیں
مرے اندر
سُنائی دے رہی ہیں۔

○

○

نہ دُھوپ چمکی نہ آنکھوں میں سانپ لہراتے
مرے وجُود کو ڈستے رہے مگر سانپ

وہ برق ہے تو مرا آشیاں جلا ڈالے
وہ دُھوپ ہے تو مرے صحن میں بکھر جائے

کوئی وصال میں یکسانیّت کی حد بھی ہو
کبھی تو ترکِ تعلق کا مرحلہ آئے

جو شخص دشت میں خود کو تلاش کرتا ہے
اُسے کہو کہ اگر ہو سکے تو گھر جائے

○

تعلق میں وفا کی پھر کمی محسوس ہوتی ہے
قیامت ہے خُدا کی پھر کمی محسوس ہوتی ہے

مَیں اُلجھا اس طرح سے آشنائی کی لکیروں میں
کسی نا آشنا کی پھر کمی محسوس ہوتی ہے

ہجومِ دوستاں کافی سہی لیکن خُدا شاہد
مجھے اُس بے وفا کی پھر کمی محسوس ہوتی ہے

○

نہ دُھوپ چمکی نہ آنکھوں میں سانپ لہراتے
مرے وجُود کو ڈستے رہے مگر سانپ

وہ برق ہے تو مرا آشیاں جلا ڈالے
وہ دُھوپ ہے تو مرے صحن میں بکھر جائے

کوئی وصال میں یکسانیّت کی حد بھی ہو
کبھی تو ترکِ تعلق کا مرحلہ آئے

جو شخص دشت میں خود کو تلاش کرتا ہے
اُسے کہو کہ اگر ہو سکے تو گھر جائے

○

تعلق میں وفا کی پھر کمی محسوس ہوتی ہے
قیامت ہے خُدا کی پھر کمی محسوس ہوتی ہے

مَیں اُلجھا اس طرح سے آشنائی کی لکیروں میں
کسی نا آشنا کی پھر کمی محسوس ہوتی ہے

ہجومِ دوستاں کافی سہی لیکن خُدا شاہد
مجھے اُس بے وفا کی پھر کمی محسوس ہوتی ہے

○

جو کبھی نا مہرباں تھے، مہرباں بنتے گئے
رفتہ رفتہ وہ ہمارے رازداں بنتے گئے

ہم کو اپنی بے ثباتی کا یقیں ہوتا گیا
واعظوں کے شہر میں پکّے مکاں بنتے گئے

بھیک میں بخشے گئے سائے کو جب ٹھکرا دیا
خود بخود سر پر ہمارے سائباں بنتے گئے

ان سے جب تک رابطہ تھا جانِ محفل تھے خیالؔ
اور جب بچھڑے تو بھولی داستاں بنتے گئے

زادِ سفر

میں جب اپنے گھر سے روانہ ہوا تو
اُداسی سے بھرپور سائے نے بڑھ کر
مرے سرد ماتھے کو
تپتے ہوئے اپنے ہونٹوں سے چُوما
مرے کان میں یہ کہا
کہ
اگر راستے میں
تمہاری رگوں میں محبت کی خواہش اُترنے لگے
تو
مجھے یاد کرنا۔

○

○

انہیں جو دُور سے دریا لگا ہے
مجھے اندر سے وہ پیاسا لگا ہے

بڑی بیکار ہیں ناصح کی باتیں
مجھے اپنا جنُون اچھّا لگا ہے

گھرا ہے دوستوں کے درمیاں جو
مجھے وہ آدمی تنہا لگا ہے

سرِ محفل ہمارے دوستوں کو
ہمارے نام سے دھچکا لگا ہے

کبھی جو چودھویں کا چاند دیکھا
قسم سے آپ کا چہرہ لگا ہے

○

○

سینکڑوں جگنو فضا کی گود میں رقصاں رہے
جب تلک سورج اندھیری رات میں اُلجھا رہا

آج بھی میں دوستوں کے درمیاں ہنستا رہا
آج بھی دامن مرا خدشات میں اُلجھا رہا

آدمیّت بے حسی کی آگ میں جلتی رہی
اور انساں صورتِ حالات میں اُلجھا رہا

زندگی پہلو میں میرے کروٹیں لیتی رہی
عُمر بھر لیکن مَیں اپنی ذات میں اُلجھا رہا

○

اب جو پھوٹا ہے آنکھ سے دریا
دِل میں راوی چناب کیا کم تھے
تم محبّت خرید لائے ہو
گھر میں پہلے عذاب کیا کم تھے

○

کچھ اس طرح سے مَیں بیٹھا ہوں آشناؤں میں
گھِرا ہو جیسے گنہگار پارساؤں میں
یہ میری اُن کی عداوت انوکھی بات نہیں
یہ اختلاف تو لازم ہے دُھوپ چھاؤں میں

اِنسان

من مندر کی دیواروں پر
ہلکے گاڑھے
سُرخی مائل چھینٹے
چھت کے شہتیروں سے لٹکے
اندھے کالے جالے
خوفناک چمگادڑ

فرش پہ بکھری کھوپڑیاں
کچھ بے چہرہ سی آنکھیں
چاروں جانب پھیلی جلتے جسموں کی بدبو
باہر سونے کا دروازہ چاندی کے دربان
رنگ برنگی خوشبوؤں میں لپٹا قبرستان
کہنے کو انسان۔

○

مجھے اپنے ماتم سے فرصت ملی تو

زمیں کی رگوں سے
لہو پھوٹ کر بہہ رہا ہے
ہوا زرد چادر سے بالوں کو ڈھانپے
گئے موسموں کو صدا دے رہی ہے
پرندوں کے پَر
ٹوٹ کر گر رہے ہیں

ہرے جنگلوں کی جڑیں
جانے
کِس خوف سے سُوکھ کر جَل گئی ہیں
درختوں کی شاخوں کی آنکھیں بھی
پتھرا گئی ہیں
پہاڑوں سے لپٹی ہوئی برف
سُورج نے
پگھلا کے رکھ دی
مجھے اِن کا دُکھ ہے
مجھے سب کا دُکھ ہے

زمیں کا ، ہوا کا
پہاڑوں ، پرندوں ، ہرے جنگلوں کا
گئے موسموں کا۔
مَیں ان سب کے دُکھ کی نوا بن کے
اِک روز نوحہ لِکھّوں گا
اگر زندگی میں
مجھے اپنے ماتم سے فُرصت ملی تو۔

○

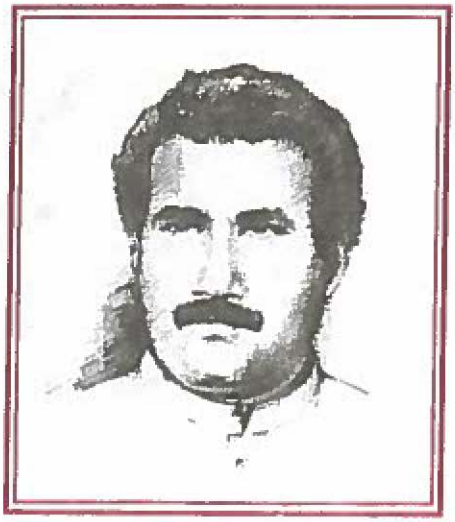

بستی سے جب نکلے تھے
جانے کتنا روئے تھے
کالی رات ،
سفر
اور میں